شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ

رحیمیہ

لاہور

بانی: حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوری
قدّس اللّٰہُ سِرّہٗ السّعید مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیرِ اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی **عبدالخالق آزاد** رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

جون 2022ء / ذوقعدہ ۱۴۴۳ھ • جلد نمبر 14، شمارہ نمبر 6 • قیمت: 25 روپے • سالانہ ممبر شپ: 300 روپے • تین سالہ ممبر شپ: 700 روپے

مجلسِ ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

ترتیبِ مضامین

- یہودی اہلِ علم کی پہلی خرابی؛ تحریفِ کلام اللہ
- دانائی کی بات
- حضرت حاطِب بن أبی بَلْتَعَہ لَخْمی رضی اللہ عنہٗ
- پاکستان میں امریکی مداخلت؛ تاریخی تسلسل پر ایک نظر
- اَخلاق کی درستگی کے لیے دس مسنون ذکر واذکار (2)
- سیّدنا عبدالملک بن مروانؒ
- 1997ء ایشیائی کرنسی بحران میں پاکستان کے لیے سبق
- نیٹو مظالم سے بچانے کی رُوسی حکمتِ عملی (3)
- انسان دوستی پر مبنی سچے نظام کی ضرورت واہمیت
- قومی اور اجتماعی نظام میں منافقین کے کردار کی خرابی
- پاکستان میں منافقت کی فتنہ پروری کی خوف ناک تاریخ
- موجودہ حالات میں قرآن حکیم سے رہنمائی لینے کی ضرورت
- مولانا سیّد کفایت علی کافی مرادآبادی شہیدؒ
- خانقاہِ رحیمیہ کو میں نے کیسا پایا!
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا **شاہ عبدالقادر** رائے پوری قدس سرہ
مسند نشینِ ثانی
خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

فرمایا:

''حضرت (عالی شاہ عبدالرحیم رائے پوری) رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ: ''(تہذیبِ نفس کی) اس راہ میں (اعمال اور اذکار میں سے) جو کرنا ہے، وہ تو کرنا ہی ہے، مگر (اس سے پہلے بے شعوری اور بد عملی سے) پرہیز بہت ضروری ہے۔ (جیسا کہ ضروری ہے کہ) روشنی کے لیے چراغ، تیل، بتی وغیرہ سب چیزوں کا اہتمام کیا جائے، مگر بجھانا۔ (اس موقع پر) حضرتؒ نے پھونک مارنے کا نمونہ دے کر فرمایا۔ صرف ''فوہ'' سے ہوسکتا ہے۔ پس (مثبت) ماحول، (صالحین کی) صحبت، ذکرِ (الٰہی اور طریقت کا) شَغَل (یعنی طریقِ کار) تو (اختیار) کرنا ہی ہے، لیکن (فاسد اَفکار اور بدعملی سے) پرہیز سب سے (زیادہ) ضروری ہے''۔

(۲؍شوال المکرّم ۱۳۶۶ھ/ 19؍اگست 1947ء۔ مقام: رائے پور)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص:346، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ رجسٹرڈ) لاہور

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

درسِ قرآن

تفسیر: شیخ التفسیر مفتی عبدالخالق آزادرائے پوری

یہودی اہلِ علم کی پہلی خرابی؛ تحریفِ کلام اللہ

اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡا لَـكُمۡ وَقَدۡ کَانَ فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ يَسۡمَعُوۡنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ (2-البقرہ:75)

(اب کیا تم اے مسلمانو! توقع رکھتے ہو کہ وہ مانیں تمھاری بات، اور ان میں ایک فرقہ تھا کہ سنتا تھا اللہ کا کلام، پھر بدل ڈالتے تھے اس کو جان بوجھ کر، اور وہ جانتے تھے۔)

گزشتہ آیت میں یہودیوں کے دلوں کی سختی کا حال بیان کیا گیا تھا اور بتلایا تھا کہ وہ پتھر دل یا اُس سے بھی زیادہ سخت دل ہو چکے ہیں۔ اس سبب سے انھوں نے بہت سے غلط اعمال کیے۔ اُن کے خراب اعمال کی تفصیل آیت 75 تا 102 میں بیان کی گئی ہے۔

اس آیتِ مبارکہ میں اُن کی سب سے پہلی خرابی بیان کی جا رہی ہے کہ انھوں نے اللہ کے کلام اور کتاب کو سمجھنے کے باوجود اُس میں تحریف کا ارتکاب کیا ہے۔

اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡا لَـكُمۡ: اس آیتِ مبارکہ میں سب سے پہلے مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ کیا تم یہ لالچ رکھتے ہو کہ یہ یہودی تمھارے دین پر ایمان لے آئیں گے اور مسلمان ہو جائیں گے؟ مدینہ منورہ میں صحابہؓ کی خواہش تھی کہ یہودی بھی اس دین کو قبول کرلیں۔ اس کے لیے انھیں دعوت دی جاتی تھی۔ اس پر اللہ پاک نے فرمایا کہ اس طرح کی طمع اور خواہش مت رکھو۔ اس لیے کہ ان کے دل اتنے سخت ہو چکے ہیں کہ یہ اللہ کے کلام میں تحریف کا ارتکاب کرتے رہے ہیں۔ جو سمجھ بوجھ کے باوجود اللہ کے پاک کلام میں تحریف کا ارتکاب کرتے ہیں، وہ تمھاری بات کیسے مانیں گے؟ اور تمھارے دینِ اسلام پر کیونکر ایمان لائیں گے؟

وَقَدۡ کَانَ فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ يَسۡمَعُوۡنَ كَلٰمَ اللّٰهِ: ان یہودیوں میں دو طرح کے لوگ ہیں: ایک وہ جو اللہ کے کلام تورات کے عالم اور اس کی سمجھ رکھنے والے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ جو اَن پڑھ اور اُمی ہیں۔ کتاب کا علم نہیں رکھتے۔ دلوں کی سختی کے سبب ان دونوں طبقوں کی حالت کی خرابی کی نوعیت مختلف ہے۔ پہلے اہلِ علم طبقے پر مشتمل فریق کی خرابی بیان کی گئی ہے۔ اس کے بعد اگلی آیت میں اَن پڑھ لوگوں کی خرابی کا ذکر ہے۔

اللہ کے کلام کو سننے سے مراد یا تو وہ لوگ ہیں، جنھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: ''اے موسیٰ! اگر ہم اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتے تو ہم وہ گفتگو سننا چاہتے ہیں، جب آپ اللہ سے ہم کلام ہوتے ہیں''۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام انھیں اپنے ساتھ طور پہاڑ پر لے گئے اور وہاں انھیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اِن کاموں کا حکم دیا ہے اور اِن کاموں سے روکا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جانے والوں میں سے ایک فریق نے آ کر بنی اسرائیل کے سامنے اُن باتوں میں تحریف کر کے بیان کیا۔ یا کلام اللہ کے سننے سے مراد تورات ہے، جو اللہ کا کلام ہے۔ اسے یہ لوگ سنتے ہیں اور اس میں تحریف کرتے ہیں۔

ثُمَّ يُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ: یہودی اہلِ علم طبقے کی خرابی یہ ہے کہ تورات میں بیان کردہ اللہ کے کلام کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد اُس میں اپنی ذاتی خواہشات اور خودساختہ نظریات کے مطابق لفظی اور معنوی تحریف کرتے ہیں۔

تحریف کی حقیقت یہ ہے کہ یہودیوں کے علما و اَحبار نے اپنی عقل اور اپنے حالات کے مطابق اپنی ترقیات کے لیے کچھ نظریات و اَفکار گھڑ لیے تھے۔ پھر وہ کوشش کر کے تورات کی آیات میں دور دراز کی تاویلات کر کے اپنے ان نظریات و اَفکار کو ثابت کرتے تھے۔ حال آں کہ وہ یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ کتاب اللہ کی آیات کا اصل مدلول اور مفہوم کیا ہے۔ اس کے باوجود اُس کے ترجمے اور مفہوم میں کچھ کلمات کا اضافہ کر کے تبدیلی پیدا کر دیتے تھے اور اُسے عام لوگوں کے سامنے بیان کرتے تھے۔ اور انھیں یہ باور کراتے تھے کہ وہ جو کچھ بیان کر رہے ہیں، وہ اللہ کی کتاب میں موجود ہے اور وہ کتاب اللہ پر صحیح عمل کرنے والے ہیں۔ عام طور پر اُن کی یہ عادت بن چکی تھی۔ تورات کے اصل نسخوں کو وہ عوام سے دور رکھتے تھے اور انھیں اپنے مراکز میں محفوظ اور مقفل رکھا جاتا تھا۔ اُن ترجموں کی اپنی خواہشات کے مطابق شروح اور حواشی لکھے جاتے۔ اس طرح دور دراز کے علاقوں میں اُن کی تحریف شدہ باتیں پھیل گئیں۔ پھر جب جالوت اور بُختِ نصر کے حملوں کے نتیجے میں ان کے مراکز تباہ و برباد ہوئے تو تورات کے اصل نسخے بھی اُس کی زد میں آئے۔ تو اب اُن کے لیے تورات کی اصل عبارت اور اُن میں اضافہ شدہ حواشی اور شروح میں فرق و امتیاز پیدا کرنا مشکل ہو گیا۔ ان کے دلوں کی سختی سے کلامِ الٰہی میں تحریفات کی یہ وبا اور خرابی ان کی عادت بن گئی۔

فائدہ: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں کتابِ مقدس قرآن حکیم پر مشتمل اللہ کا کلام آج بھی مِن وعَن محفوظ ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ گزشتہ علمائے اسلام اور سلف صالحین نے اس بات کی قطعی اجازت نہیں دی کہ مصحفِ قرآنی میں کلماتِ قرآنی کے علاوہ ایک بھی زائد کلمہ تحریر کیا جائے۔ یہاں تک کہ سورتوں کے نام اور آیاتِ قرآنی پر لگی حرکات و سکنات، اعراب اور نقطوں میں بھی کوئی کمی بیشی کسی صورت گوارا نہیں کی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ علمائے اسلام کو یہودیوں کی اُن تحریفات کا علم تھا کہ جو تورات کی اصل کتاب کے ساتھ زائد تشریحی جملوں اور اضافہ شدہ حواشی کے لکھنے سے پیدا ہوئی تھی۔ یوں اصل کلام اللہ محفوظ نہیں رہا۔ تورات محرف شدہ ہو گئی۔

قرآن حکیم کی حفاظت کا ایک اَور سبب یہ بھی ہے کہ یہ تسلسل اور تواتر کے ساتھ مسلمانوں کے سینوں میں محفوظ رہا ہے۔ اس لیے کہ مسلمانوں کی تمام مساجد میں تراویح کی سنت ادا کی جاتی ہے۔ یہ عمل مبارک اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر فاروقؓ کے قلب میں الہام کیا تھا۔ اس کے نتیجے میں قرآن حکیم کے حفظ کا ذوق و شوق پیدا ہوا اور قرآن حکیم سینوں سے سینوں میں منتقل ہوتا رہا۔ بعض لوگ تراویح کی سنت کو ''بدعتِ عمریہ'' کہہ کر رد کرتے ہیں، یہ لوگ وہ ہیں جن کے دلوں میں دراصل قرآن داخل نہیں ہوا اور وہ لوگ تراویح کی وجہ سے قرآن کی حفاظت کو صحیح طور پر نہیں سمجھ پائے۔

درسِ حدیث

از: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

دانائی کی بات

عَنْ اَنَسٍؓ، أَنَّ رَجُلاً قَالَ لِلنَّبِیِّ ﷺ: أَوْصِنِیْ! فَقَالَ: ''خُذِ الأمْرَ بِالتَّدْبِیْرِ، فَإِنْ رَأَیْتَ فِیْ عَاقِبَتِہٖ خَیْرًا فَأَمْضِہٖ، وَ إِنْ خِفْتَ غَیًّا فَأَمْسِکْ''. (مشکوٰۃ:5057)

(حضرت انسؓ کہتے ہیں: ایک آدمی نے نبی ﷺ سے سوال کیا کہ مجھے کوئی نصیحت کیجیے! آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہر کام کے انجام پر غور کرلیا کرو، اگر آپ کو اس کا اچھا نتیجہ نکلنے کی اُمید ہو تو اس کام کو کر ڈالو۔ اور اگر یہ خوف ہو کہ اِدھر اُدھر بھٹکنا پڑے گا تو نہ کرو۔)

حضور ﷺ کسی بھی کام کو شروع کرنے سے پہلے اس کے نتیجے پر غور و فکر کرنے کی طرف توجہ دِلا رہے ہیں۔ اگر غور و فکر کے بعد یہ نتیجہ نکلے کہ یہ کام ممکنہ طور پر مفید ہے تو پھر آپ اسے شروع کرلیں۔ اگر خطرات ہوں اور اس بارے میں کوئی شک ہو تو پھر رِسک نہیں لینا چاہیے۔ غیر واضح صورتِ حال کے ہوتے ہوئے کسی کام کو کرنا' نادانی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے یہاں یہ نہیں کہا کہ تم اللہ پر بھروسہ کرلو تو وہ کام خود بہ خود ٹھیک ہو جائے گا، بلکہ یہ کہا کہ جو خداداد عقل تمھارے پاس ہے، اس کو کام میں لاؤ۔ اگر وہ اس کام کے حق میں فیصلہ نہیں کرتی تو پھر اسے چھوڑ دو۔

لوگ اِنفرادی زندگی میں ایسا کرتے ہیں کہ وہ پیشِ نظر مسئلے پر درست طور پر غور ہی نہیں کرتے، یا دانا لوگوں کی رہنمائی پر دھیان نہیں دیتے۔ اور کہتے ہیں: کوئی بات نہیں، اللہ بہتر کرے گا۔ جب کہ جو کام آج واضح نہیں ہے، اس کے بارے میں اللہ پر بھروسہ کرنے کی بات کرنا' حماقت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

قومی اور اجتماعی زندگی میں بھی ہمارے ہاں یہ روِش پائی جاتی ہے کہ جس بات کا زیادہ پروپیگنڈا ہوتا ہے، اس بات پر لوگ یقین کرلیتے ہیں۔ اس امر پر غور و فکر کرنے کا عمومی رُجحان نہیں ہے۔ اجتماعی طور پر قوم نے سوچنا چھوڑ دیا ہے۔ لوگ مفاد پرست اور جاہل قیادت کے پیچھے اندھا دُھند بھاگے جا رہے ہیں۔ جب کہ قرآن نے ''عبادالرحمٰن'' کی صفت بیان کرتے ہوئے یہ کہا کہ: ''رحمٰن کے بندے وہ ہیں کہ جب ان کو اللہ کی آیات کے ذریعے سے نصیحت کی جاتی ہے تو یہ بہرے اندھے ہو کر اس پر نہیں گر پڑتے''۔ (25-الفرقان: 73) بلکہ اس میں غور کرتے ہیں اور اس ہدایت کی بات کو بھی سمجھ کر اختیار کرتے ہیں۔ کہاں پروردگار کی آیات پر تحقیق و تفتیش اور اس کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر اختیار کرنے کی مؤمنوں کی خوبی اور کہاں آج کے مؤمن جو کمرشل میڈیا پر مشہور ہونے والی بات پہ دھوکا کھائے جا رہے ہیں۔

افسوس ناک امر یہ ہے کہ بار بار ایک ہی قسم کا دھوکا دیا جا رہا ہے۔ مذہبی اور قومی کارڈ استعمال کرنے والے مذہب اور عوام کے نام پر دھوکا دینے والے روزِ اوّل سے ایک ہی طریقہ اپنائے ہوئے ہیں۔ حقوق تلفی اور قوم فروشی کا بازار گرم ہے، مگر مسلمانوں کے غور و فکر کو چھوڑ دینے کی عادت نے انھیں اجتماعی اور قومی زوال سے دوچار کردیا ہے۔

صحابہؓ کا ایمان افروز کردار

مولانا قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

حضرت حاطِب بن أبی بَلْتَعَہ لَخْمی رضی اللہ عنہ

حضرت حاطِب بن أبی بَلْتَعَہ لَخْمی رضی اللہ عنہ تجارت پیشہ تھے۔ آپؓ مہاجرین میں سے تھے۔ آپؓ نے حضور ﷺ کی مکہ سے ہجرت سے پہلے اسلام قبول کیا۔ آپؓ حضورؐ کے ساتھ غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد، غزوۂ خندق، دیگر تمام جنگوں اور دینی و اجتماعی سرگرمیوں میں شامل رہے۔ آپؓ دورِ نبویؐ کے بہترین تیراندازوں میں سے ایک تھے۔ ایامِ جاہلیت میں شاعری و شہ سواری میں آپؓ شہرت رکھتے تھے۔ حضرت حاطبؓ نے ۳۰ھ میں 65 سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ خلیفہ وقت سیّدنا حضرت عثمان بن عفانؓ نے آپؓ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

جب حضور اقدس ﷺ نے مصر کے بادشاہ کی طرف خط لکھا تو پوچھا کہ ''یہ خط کون لے کر جائے گا؟ جس کی مزدوری و اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے''۔ حضرت حاطبؓ فوراً کھڑے ہوئے۔ آپؐ نے حضرت حاطبؓ کو دعا دی کہ ''اللہ تعالیٰ تمھارے ارادوں میں برکت عطا فرمائے''۔ چناں چہ آپؓ قاصدِ رسول اللہؐ بن کر مصر کی طرف روانہ ہوئے اور رسول اللہؐ کے سفیروں کی فہرست میں شامل ہوگئے۔

حضرت حاطبؓ انتہائی عقل مند، معاملہ فہم، مردم شناس، قرآنی علوم اور سماجی معلومات کے ماہر اور تجربہ کار شخصیت کے حامل تھے۔ جب آپؓ بادشاہِ مصر کے دربار میں حاضر ہوئے اور مکتوبِ نبویؐ پیش کیا تو بادشاہ نے کہا: ''مرحبًا بکتاب النّبی العربی'' (نبیٔ عربی کے خط کے لیے خوش آمدید)۔ اس کے بعد اچانک بادشاہ نے ایک تحریر منگوائی، جس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک سب انبیاء علیہم السلام کی تعریف اور حلیہ درج تھا۔ سفیر سے کہا کہ اپنے سردار کی تعریف بیان کرو تو حضرت حاطبؓ نے ان الفاظ میں آپؐ کی تعریف بیان کی:

''میرے آقا محمد الرسول اللہ ﷺ نہایت خوب صورت، خوش رُو، چستہ بدن، میانہ قد اور ایک بزرگ ترین ہستی ہیں۔ آپؐ کے دونوں شانوں کے درمیان ایک تِل ہے، جو چاند کی طرح چمکتا رہتا ہے۔ آپؐ صاحبِ خشوع، متدین، پاک دامن، نقصان سے بَری، سچ بولنے والے اور حَسین ہیں۔ آپؐ کی ناک مبارک ستواں اور بلند، پیشانی کشادہ، زبان باریک، دونوں اگلے دانت خوش نما اور چمک دار، آنکھیں سُرمگیں، دونوں ابرُو باریک و دراز، اگلے دونوں دانتوں میں کسی قدر کشادگی، سینہ چوڑا اور کشادہ، شکم مبارک مثل ریشمی کپڑے کی شکن کے، زبان فصیح اور آپؐ کا نسب سب سے اچھا اور خالص ہے۔ صلّی اللّٰہ علیہ و آلہ و أصحابہ و سلّم قدر حُسنہ و جمالہ''۔

گویا سفیر میں ایسی خصوصیات ہونی ضروری ہیں کہ فوری پیدا ہونے والے سوالات کے جوابات سے درست تعارف کرا سکے اور کسی بھی نظام کے مطالعے اور قوتِ مدبرہ و نافذہ کے ذریعے متعلقہ ملاقات و مکالمہ سے نتائج اخذ کرسکے، تاکہ اپنے نظریات اور نظام کی ترقی اور مستقبل کی کامیابی کی راہیں تلاش کی جاسکیں۔

شذرات

پاکستان میں امریکی مداخلت؛ تاریخی تسلسل پر ایک نظر

پاکستان کے سیاسی میدان کا درجۂ حرارت بہ دستور قائم ہے۔ سیاسی پارٹیوں کی پوزیشن بدل چکی۔ جو حکومت میں تھے وہ اپوزیشن ہوگئے اور متحدہ اپوزیشن اقتدار کے ایوانوں میں پہنچ چکی ہے۔ اس کے علاوہ عوامی مفاد میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، بلکہ لا اینڈ آرڈر اور مہنگائی کی صورتِ حال پہلے سے بھی زیادہ گھمبیر ہوچکی ہے، بلکہ موجودہ حکومت نے آئی ایم ایف کے مطالبے پر پیٹرول، ڈیزل اور مٹی کے تیل پر یک مُشت 30 روپے فی لیٹر اضافہ کرکے مہنگائی کی ایک نئی لہر پیدا کردی ہے۔ سابقہ حکومت نے اگر مہنگائی کی بارودی سرنگیں بچھائی تھیں تو موجودہ حکومت نے مہنگائی کی کارپٹ بمباری شروع کردی ہے۔ عوام سیاسی پارٹیوں کے غلامانہ معاشی فیصلوں کے سبب کہیں کے نہیں رہے۔ اس بار کی سیاسی کشمکش نے ایک نئی بحث کا در کھولا ہے کہ آیا پاکستان میں حکومتوں کی تبدیلی میں امریکا کا کوئی کردار ہوتا ہے یا نہیں؟ مزید برآں امریکا پاکستان کے داخلہ خارجہ معاملات پر اثرانداز ہوتا ہے یا نہیں؟ اس سے ماورا کہ کون سی پارٹی امریکا مخالف کارڈ استعمال کررہی ہے، ہم خالصتاً اس مسئلے کو پاکستان کی تاریخ کی روشنی میں زیرِ بحث لانا چاہتے ہیں کہ آیا پاکستان میں امریکا کو عمل دخل حاصل رہا ہے یا نہیں؟ تاکہ ہماری نئی نسل تاریخ کے اس باب سے حقیقی آگاہی حاصل کرسکے۔

یہ تو ایک کھلی حقیقت ہے کہ امریکا کی ایک طویل تاریخ ہے کہ وہ دوسرے ملکوں کے داخلی معاملات میں مداخلت کرتا رہا ہے اور اپنی ناپسندیدہ حکومتوں کو ہٹا کر اپنے کٹھ پتلی حکمرانوں کو مسندِ اقتدار پر بٹھاتا رہا ہے۔ اس کے لیے پیش بندی کے طور پر وہ اپنی ایک طویل مدتی حکمتِ عملی بھی تشکیل دیتا ہے، جیسا کہ پاکستان کے باب میں اس نے قیامِ پاکستان سے قبل ہی اپنی مداخلت کے راستے ہموار کرنا شروع کردیے تھے۔

تشکیلِ پاکستان سے تقریباً ساڑھے تین ماہ قبل یکم مئی 1947ء کو قائدِاعظم محمد علی جناح سے امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے دو نمائندوں نے ملاقات کی تھی۔ ان میں سے ایک جنوبی ایشیا ڈویژن کے سربراہ مسٹر ریمنڈ (Raymond) اور دوسرے بھارت میں امریکی سفارت خانے کے سیکنڈ سیکرٹری تھامس ای ویل (Thomas E Weil) تھے۔ اس ملاقات کی غرض یہ تھی کہ دونوں طرف کی قیادتیں پاکستان اور امریکا کے مستقبل کے تعلقات کی نوعیت کو طے کرسکیں۔ چناں چہ قائدِاعظم نے امریکی سفارت کاروں سے کہا کہ: ’’مسلم لیگ کسی صورت انڈین یونین کو تسلیم نہیں کرے گی اور وہ پاکستان بنانا چاہتی ہے، جو یقیناً امریکا کے مفاد میں ہوگا۔ پاکستان دیگر مسلم ممالک سے مل کر روسی جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لیے امریکا سے مدد کا خواہاں ہوگا‘‘۔ بعدازاں ایک بیان میں بانیٔ پاکستان نے کہا: ’’ہمارے مفادات روس کے بجائے دو عظیم جمہوری ملکوں برطانیہ اور امریکا سے وابستہ ہیں‘‘۔ قیامِ پاکستان کے صرف دو ہفتے بعد پہلے وزیرِ خزانہ ملک غلام محمد نے امریکی امداد کے لیے براہِ راست امریکا سے درخواست کی۔ فیروز خان نون نے تُرکی میں امریکی سفیر سے کہا: ’’ہم روس کے خلاف ہیں۔ پاکستان امریکا کی منڈی بن سکتا ہے۔ امریکا کو ہماری مالی مدد کرنی چاہیے‘‘۔ 1950ء میں روس کی دعوت کے باوجود پاکستان کے پہلے وزیرِاعظم کو امریکا لے جانے والی قوتیں بھی پاکستان میں امریکی مفادات کے لیے سرگرم تھیں۔ امریکا ہی کی طرف سے ڈی کلاسیفائیڈ ہونے والے ڈاکومنٹ کی رُو سے لیاقت علی خاں کے قتل کے پیچھے بھی امریکی سی آئی اے کا کردار تھا۔ 1954ء میں بغداد پیکٹ کے ذریعے پاکستان کا روس کے خلاف دفاعی امریکی اتحادی بننا پاکستان میں امریکی اثر و رُسوخ کے بغیر کیسے ممکن تھا۔

وزیرِاعظم حسین شہید سہروردی کے کردار کی بھی ایک جھلک ملاحظہ کیجیے! جب 1956ء میں اپنی معیشت کو سہارا دینے کے لیے مصر کے صدر جمال عبدالناصر نے نہر سوئز کو نیشنلائز کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ نہر اس وقت برطانوی اور فرنچ کمپنیوں کی ملکیت میں تھی۔ اس وقت دنیا میں دو گروہ بن گئے: ایک وہ جو مصر کی حمایت کررہا تھا اور دوسرا برطانیہ کی۔ آپ کو پتہ ہے کہ پاکستان کا نمائندہ وفد اس وقت برطانیہ کی بلائی گئی سوئز کانفرنس میں موجود تھا؟! اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمیں اسلحہ اور پیسہ امریکا اور اس کے اتحادیوں سے مل رہا تھا تو ہم نے اپنے ’’قومی مفاد‘‘ میں مصر کے بجائے برطانیہ کا ساتھ دیا۔ اس وقت کے وزیرِاعظم حسین شہید سہروردی سے جب پوچھا گیا کہ مسلمان ملک کے بجائے آپ نے برطانیہ کو کیوں سپورٹ کیا؟ تو انھوں نے کہا کہ: ’’مسلم ممالک سے اتحاد کا ہمیں کیا فائدہ ہوگا؟ یہ تو صفر جمع صفر برابر صفر والی بات ہے‘‘۔ صدر جمال عبدالناصر اسی لیے بین الاقوامی سطح پر پاکستانی مؤقف کی حمایت نہیں کرتے رہے۔

اس بات کے بھی دستاویزی ثبوت کتابوں میں شائع ہوچکے ہیں کہ پاکستان کا پہلا مارشل لاء میر جعفر کے پڑپوتے سکندر مرزا کے ذریعے پاکستان پر امریکی آشیرباد ہی سے ممکن ہوا تھا۔ بعدازاں امریکا ایوب خان کی پشت پناہی کرنے لگا اور ان کے فوجی مارشل لاء کو سپورٹ کیا۔ ایوب خاں خطے کی اُبھرتی ہوئی طاقت چین کی آفرز کو ٹھکراتے ہوئے امریکی اشاروں پر چلتا رہا۔ 1965ء کی پاک انڈیا جنگ کے بعد ایوب خاں امریکی سردمہری کے خلاف روس اور چین کے قریب ہوا تو ملک میں اس کے خلاف عوامی مظاہرے منظم کروادیے گئے۔ ایوب خان کے خلاف سیاسی پارٹیوں کا اتحاد ’’پی ڈی ایم‘‘ کے نام سے نوابزادہ نصراللہ خان کی قیادت میں بنا۔ ان مظاہروں میں بھٹو کا بھی کلیدی کردار رہا۔ پھر جنرل یحیٰی کی سرپرستی کرکے ملک دولخت کروادیا۔ پھر بھٹو کو امریکی وزیرِ خارجہ ہنری کسنجر نے دھمکی دی اور ان کا عدالتی قتل کرواکر انھیں عبرت ناک مثال بنا کر اپنی بات سچ کردکھائی۔ یہ بات کون نہیں جانتا کہ ضیاء الحق امریکی پیش بندی کا حصہ تھا، جس کے ذریعے قیامِ پاکستان کے وقت کے منصوبے روس کے خلاف ’’جہاد‘‘ کو عملی جامہ پہنایا گیا۔

بقیہ: صفحہ 12 پر

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

اَخلاق کی درستگی کے لیے دس مسنون ذکر واَذکار

2

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ "حُجّةُ اللّٰهِ البالِغه" میں فرماتے ہیں:

(4۔ "اللّٰہ أکبر" کی عظمت اور سلطنت)

"چوتھا ذکر "اللّٰہ أکبر" ہے۔ اس جملے میں اللہ کی عظمت اور اُس کی قدرت اور اُس کی بادشاہت اور سلطنت کو ملاحظہ کرنا ہوتا ہے۔ یہ کلمہ اللہ کی معرفتِ ثبوتی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اسی لیے اس جملے کی فضیلت میں درجِ ذیل حدیث وارد ہوئی ہے کہ: "اللّٰہ أکبر" آسمان وزمین کے درمیان تمام چیزوں کو بھر دیتا ہے"۔ (مشکوٰۃ، حدیث: 2322)

(ان چار کلمات کی فضیلت میں ارشاداتِ نبویؐ)

(1) "یہ چار کلمات تمام کلمات سے افضل ہیں: (۱) سبحان اللّٰه، (۲) و الحمد للّٰه، (۳) و لا اله إلّا اللّٰه، اور (۴) اللّٰه اکبر"۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، حدیث: 2294)

(2) اور ایک روایت میں ہے کہ: "اللہ تبارک و تعالیٰ کو یہ چاروں کلمات بہت محبوب ہیں۔ تمھیں ان کے پڑھنے سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ ان میں سے جس کلمے کو چاہو پہلے پڑھ سکتے ہو"۔ (حوالہ بالا)

(3) اور ایک روایت میں ہے کہ: "یہ چاروں کلمات جنت میں باغ لگانے کا باعث بنتے ہیں"۔ (مشکوٰۃ، حدیث: 2315)

(دوسری حدیث میں دیگر چار کلمات کی فضیلت کا سبب)

حضرت جویریہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ میرے پاس سے صبح نماز پڑھانے کے لیے تشریف لے جا رہے تھے کہ میں اپنے مصلّے پر بیٹھی تھی۔ پھر چاشت کے وقت حضورؐ واپس تشریف لائے تو میں اُسی طرح اپنے مصلّے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ تو رسول اللہؐ نے مجھ سے پوچھا کہ: "جس حالت میں مَیں تمھیں چھوڑ کر گیا تھا، تم اُس وقت سے اسی طرح بیٹھی ہوئی ہو؟" تو انھوں نے فرمایا کہ: ہاں! نبی اکرمؐ نے فرمایا: "میں نے اُس کے بعد چار کلمات تین مرتبہ پڑھے ہیں۔ اگر اُن کا وزن تمھارے اب تک پڑھے ہوئے کلمات کے ساتھ کیا جائے تو میرے پڑھے ہوئے یہ کلمات اُن سے زیادہ وزنی ہوں گے: "سُبحان اللّٰه و بِحَمْدِهٖ (۱) عَدَدَ خَلْقِهٖ، (۲) و رِضَاءَ نَفْسِهٖ، (۳) و زِنَةَ عَرشِهٖ، (۴) و مِدادَ کَلِمَاتِه"۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، حدیث: 2301)

(ترجمہ: اللہ کی تسبیح و تحمید ہے (۱) اُس کی تمام مخلوق کی تعداد کے برابر، (۲) ذاتِ باری تعالیٰ کی اپنی رضا کے برابر، (۳) اُس کے عرش کے وزن کے برابر، (۴) اُس کی تعریف میں لکھے گئے کلمات کی روشنائی کے برابر۔)

اس حدیث کی حقیقت یہ ہے کہ کسی عمل کی شکل وصورت جب نامۂ اَعمال میں قرار پکڑ لیتی ہے تو اس کی جزا اور ثواب کے موقع پر اُس صورت کا پھیلاؤ اور اُس کی وسعت اُس کلمے کے معنی کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ مثلاً اگر کلمہ "عَـدَدَ خَـلْـقِـهٖ" کے عمل کی صورت وجود میں آئی ہے تو اُس کی وسعت اس جملے کے معنی کی وسعت کے مطابق ہوگی۔

(ذکر اَذکار کرنے والوں کے لیے ایک اُصولی ضابطہ)

یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ جس آدمی کا زیادہ تر میلان ذکر اللہ کے معنی کے رنگ سے اپنے نفس کو رنگین کرنے کی طرف ہوتا ہے تو اُس کے حق میں یہ بات مناسب ہے کہ وہ ذکر اللہ کثرت سے کیا کرے۔ اور جس آدمی کا زیادہ تر میلان اپنے نامۂ اَعمال میں عمل کی صورت کو زیادہ محفوظ کرنے اور قیامت کے دن اُس کے نتائج کی طرف ہو تو اُس کے حق میں زیادہ نفع بخش بات یہ ہے کہ وہ ایسا ذکر اختیار کرے جو کیفیت کے اعتبار سے باقی تمام ذکر واذکار سے فائق اور بلند تر ہو۔

کسی آدمی کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ "جب ان کلمات کو صرف تین مرتبہ پڑھنا باقی تمام ذکر اذکار سے افضل ہے تو پھر ذکر کی کثرت کرنا اور سارے وقت کو اُس میں استعمال کرنا وقت کا ضائع کرنا ہے؟" اس لیے کہ بعض کلمات کی فضیلت ایک اعتبار سے ہے اور بعض دوسرے کلمات کی فضیلت دوسرے اعتبار سے ہوتی ہے۔

(امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں: "یعنی اس اعتبار سے کہ کم الفاظ اور بغیر تکرار کے زیادہ ثواب حاصل ہو تو یہ (حدیثِ جویریہؓ والے) کلمات افضل ہیں۔ اور اس اعتبار سے کہ ذکر کے رنگ سے نفس کو رنگین کرنا ہے اور قلب کو اُس ذکر کے معنیٰ سے منور کرنا ہے تو پھر پہلے چار کلماتِ ذکر کی کثرت کرنا اور انھیں بار بار دُہرانا اور اپنے زیادہ تر وقت کو اس میں خرچ کرنا زیادہ افضل ہے۔)

(مترجم کہتا ہے کہ: اسی لیے صوفیائے کرام اپنے مسترشدین کے نفوس کو ذکر اللہ سے رنگین کرنے اور قلوب کو ذکر اللہ سے منور کرنے کے لیے ذکر واذکار کی کثرت اور اپنے زیادہ تر اوقات کو اس کے شَغل میں مشغول رکھنے کا حکم دیتے ہیں۔)

نبی اکرم ﷺ نے اُم المؤمنین حضرت جویریہؓ کو اعمال کے ثواب کے اعتبار سے رہنمائی کی ہے۔ اور اس سلسلے میں اُن کو ترغیب دی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ذکر کے حوالے سے جو یہ طریقۂ کار بیان فرمایا ہے کہ "اللّٰہ أکبر" اور باقی دیگر کلمات کو "لا إلٰه إلّا اللّٰه" کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو اس کا راز یہ ہے کہ اس طرح انسانی نفس کو ذکر الٰہی کی طرف پوری توجہ حاصل رہتی ہے۔ ورنہ تو وہ صرف زبانی تلفظ اور لقلقہ رہ جاتا ہے۔ (حضرت سندھیؒ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ: "اگر کوئی آدمی صرف 'لا إلٰه إلّا اللّٰه' کا ذکر کرے اور اُسی کو دُہراتا رہے تو وہ اُس کی عادت بن جاتا ہے اور وہ بغیر کسی توجہ اور غور وفکر کے پڑھتا رہتا ہے، لیکن جب اُس کے ساتھ اپنی حالت کے تقاضوں کے مطابق باقی کلمات کبھی کبھی ساتھ شامل کرتا رہے تو یہ بات انسانی نفس کو متنبہ کرنے میں بڑا کردار ادا کرتی ہے۔ اور انسان پورے طریقے سے ذکرِ الٰہی کے معنی میں خوب غور وفکر اور تدبر کرتا ہے"۔) (باب الاذکارِ و ما یتعلّق بها)

اسلامی دور کی ناقابلِ فراموش شخصیات

مفتی محمد اشرف عاطف، لاہور

سیّدنا عبدالملِک بن مروانؒ

پچھلے دنوں ایک دعائیہ تقریب میں ایک ''عالمی مبلغ'' نے جھوٹی اور موضوع روایات کا سہارا لے کر خلفائے بنواُمیہ کی کردارکشی کی اور ایسے جھوٹے واقعات ذکر کرکے اَخلاف کو اَسلاف سے بدظن کرنے کی ناکام کوشش کی۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ خلفائے بنواُمیہ کا دورِ تاریخِ اسلام کا سنہری دور ہے۔ خصوصاً عبدالملک بن مروانؒ کا دورِ اسلامی فتوحات کا دور ہے۔ امن وامان، معاشی خوش حالی اور دین کی سربلندی کا زمانہ ہے، جس میں ''مؤطا امام مالک'' کو اسلامی دستور ہونے کی حیثیت حاصل رہی۔

عبدالملک بن مروانؒ خود بھی عالم و فاضل، عابد و زاہد اور مدینہ کے مشہور فقہا میں سے تھے۔ بڑے بڑے ائمہ کرام ان کے علمی و عملی کمالات کے معترف ہیں۔ مثلاً امام شعبیؒ جو کہ عظیم محدث، صحاح ستہ کے ثقہ راوی اور کئی صحابہؓ کے شاگرد ہیں، وہ کہتے ہیں کہ: ''میں نے جس کسی سے گفتگو کی، اپنے آپ کو اس سے برتر پایا، سوائے عبدالملک کے، کہ اس کے ساتھ کبھی حدیث یا شعر پر گفتگو ہوئی تو اس نے میرے علم میں اضافہ کیا''۔ محدث ابوالزنادؒ کہتے ہیں کہ: ''سعید بن مسیبؒ، عبدالملک بن مروانؒ، عُروہ بن زبیرؒ اور قبیصہ بن ذویبؒ فقہائے مدینہ ہیں''۔ عُبادہ بن نُسَیؒ نے صحابیِ رسول حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ آپ لوگوں کے بعد ہم مسائل کس طرح (کس سے) دریافت کریں؟ تو انھوں نے فرمایا کہ: ''مروان کے بیٹے فقیہ ہیں، ان سے دریافت کرنا''۔ امام ذہبیؒ کہتے ہیں کہ: ''عبدالملکؒ نے حضرت عثمانؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت اُمِ سلمہؓ، حضرت ابنِ عمرؓ اور حضرت امیر معاویہؓ سے احادیث سنیں''۔ اور بقول شاہ معین الدین ندویؒ: ''اگر وہ حکمران نہ ہوتے تو وہ مدینہ کی مسندِ علم کی زینت ہوتے''۔ علم و فضل میں یکتائے روزگار ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک بہادر و کامیاب حکمران بھی تھے۔ اندرونِ ملک بغاوتوں اور شورشوں کو ختم کرکے ملک کو سیاسی لحاظ سے مستحکم کیا۔ فتوحات سے سلطنت کو وسعت بخشی۔ انھیں کے زمانے میں شمالی افریقا میں فتوحات کا آغاز ہوا۔ ترکستان اُموی خلافت کا حصہ بنا۔ رومیوں کو قیساریہ کے مقام پر شکست دے کر بہت سے رومیوں کے علاقے اسلامی حکومت کے زیرِنگیں آئے۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب ایران، شام اور افریقا کے کچھ علاقے فتح ہوئے، لیکن بعض انتظامی دُشواریوں کی وجہ سے دفتری نظام علاقائی زبانوں میں ہوتا تھا۔ ایران اور عراق میں پہلوی زبان رائج تھی۔ شام میں سریانی اور مصر میں قدیم مصری زبان کا رواج تھا تو عبدالملک کے زمانۂ خلافت میں عربی زبان کو دفتری زبان کے طور پر رائج کیا گیا، جس سے قومی وحدت کے تصور کو فروغ ملا۔ ان کا ایک بڑا کارنامہ اسلامی سِکّوں اور زَری کرنسی کا اِجرا بھی ہے، جس سے تجارت میں سہولت ہوئی۔ ملکی معیشت مستحکم ہوئی اور خوش حالی میں اضافہ ہوا۔ خانۂ کعبہ کی ازسرِنو تعمیر کی اور ہر سال کعبہ پر نیا غلاف چڑھانے کی رسم کا آغاز ہوا۔ یہ ریشمی غلاف ہر سال دمشق سے روانہ کیا جاتا تھا۔

مختصر یہ کہ تاریخ کے اوراق ان کے کارناموں سے معمور ہیں، لیکن افترا پرداز لوگ ضعیف ترین، بلکہ موضوع روایات کا حوالہ دے کر تاریخِ اسلام کو مسخ کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ بنواُمیہ کے خلفا تو انسانی خدمت اور اپنے علمی و عملی کارناموں کی بدولت دُنیا میں بھی سُرخ رُو ہوئے اور برزخی و اُخروی زندگی میں بھی ان شاء اللہ سرخ رُو ہوں گے، البتہ ایسے عادل حکمرانوں پر الزام تراشی کرنے والے ہی رُوسیاہ ہوں گے۔

ملکی معیشت

محمد کاشف شریف، اسلام آباد

1997ء ایشیائی کرنسی بحران میں پاکستان کے لیے سبق

1997ء میں ایشیائی کرنسی بحران میں مشرقِ بعید کے تمام ممالک خاص طور پر، اور دُنیا کے دیگر ممالک عام طور پر ان پالیسیوں کی وجہ سے متاثر ہوئے تھے، جنھیں آج کا پاکستان بروئے کار لا چکا ہے۔ اس بحران کا آغاز تھائی لینڈ سے ہوا۔ اس وقت کے تھائی لینڈ کا جائزہ لیں تو ایسا محسوس ہوگا کہ ہم آج کے پاکستان کا جائزہ لے رہے ہیں۔ بڑھتی ہوئی برآمدات، سالانہ پیداوار، غیرملکی سرمایہ کاری اور اس کی دوسری طرف معیشت پر بڑھتا ہوا قرض۔ غیر پیداواری شعبوں میں سرمایہ کاری، جن میں پراپرٹی، سٹاک ایکسچینج اور کرنسی کا سٹہ، ہاٹ ڈالر اور گھٹتے ہوئے زرِمبادلہ کے ذخائر قابلِ ذکر تھے۔ یہی حال انڈونیشیا اور فلپائن کا تھا۔ زرِمبادلہ کی بے پناہ طلب کو کم کرنے کی غرض سے مجبوری میں اُٹھایا گیا ایک قدم تھائی لینڈ کی معیشت کو لے ڈوبا۔ چناں چہ ''تھائی بھات'' کی قیمت کو مارکیٹ کی طلب اور رَسد کے حوالے کر دیا گیا۔ اسے معاشی زبان میں Free Float کہا جاتا ہے۔ اس عمل نے ایک مسلسل عمل کو جنم دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس گراوٹ کے عمل نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس کے بعد تھائی لینڈ میں احتجاجی مظاہروں کے تناظر میں حکومت کو گھر جانا پڑا۔ انڈونیشیا میں سہارتو کی تیس سالہ حکمرانی کا خاتمہ ہوا۔ فلپائن کے صدر رَاموس کا بھی یہی انجام ہوا۔ البتہ ملائشیا کے مہاتیر محمد نے نہ صرف اس بحران کا مقابلہ کیا، بلکہ ملائشیا اس بحران سے نکلنے والا سب سے پہلا ملک بن گیا۔

اس بحران کے دوران اور بعد میں ملائشیا کے علاوہ تمام قابلِ ذکر متاثرہ ممالک نے وہی کیا جو IMF نے انھیں کہا۔ بڑے بڑے اقدامات میں شرح سود میں بے پناہ اضافہ، ترقیاتی اخراجات میں زبردست کمی، ٹیکسز میں ہوش رُبا اضافہ، کرنسی میں شرم ناک گراوٹ اور IMF سے اربوں ڈالر کے قرضوں کی وصولی۔ چناں چہ تھائی لینڈ نے 20، انڈونیشیا نے 23 اور کوریا نے 35 ارب ڈالر ابتدائی دنوں میں حاصل کیا۔ اس دوران مہنگائی اور بے روزگاری نے تمام ریکارڈ توڑ دیے اور ان ممالک میں موجود سیاسی حکومتیں زبردست عدمِ استحکام کا شکار رہیں، لیکن ملائشیا میں نہ تو حکومت گری اور نہ ہی معیشت۔ وقتی اضمحلال ضرور آیا، لیکن مضبوط اِرادے اور منفرد معاشی اقدامات اور سب سے بڑھ کر IMF سے دوری کی حکمتِ عملی ملائشیا کو بچا گئی۔ ملائشیا نے ترقیاتی اخراجات میں کمی نہیں کی، تاکہ بے روزگاری نہ بڑھے۔ ''ملائیشیائی رِنگیٹ'' کی قیمت Fix کر دی، تاکہ اس میں غیرمعمولی اُتار چڑھاؤ نہ ہونے پائے۔ شرح سود کو کاروبار کے موافق رکھا، تاکہ کاروباری نقصانات کے نتیجے میں دیوالیہ ہونے سے بچا جاسکے اور نتیجتاً بے روزگاری نہ بڑھے۔ یہ وقت ہے کہ ملائشیا جیسے اقدامات پاکستان بھی کرے، لیکن کیا کریں! ہمارے پاس نہ لیڈرشپ ویسی ہے، جو منفرد اور انقلابی فیصلے کر سکے۔ اس کے ساتھ ہماری مقتدرہ خود ہی مافیا بھی ہے۔ بھلا وہ کیوں ایک دن کا نقصان برداشت کرے۔ ان کی حکمرانی کمیشن ایجنٹی اور تقرری و تبادلے سے آگے نہیں بڑھی۔ دوسری طرف ہمارے مالیاتی نظام کا بڑا حصہ تو IMF کے کنٹرول میں ہے۔ یہاں ہوگا تو وہی جو IMF سرکار چاہے گی۔

نیٹو مظالم سے بچانے کی رُوسی حکمتِ عملی 3

(مسئلہ یوکرین کا پس منظر)

ملک میں ایمرجنسی نافذ کردی جاتی ہے۔ فوجیں ماسکو میں پہنچنا شروع ہوجاتی ہیں۔ وہاں ان فوجوں کا سامنا انسانی ہاتھوں سے بنی ہوئی زنجیروں سے ہوتا ہے، جو رشین پارلیمنٹ کی حفاظت کررہی ہوتی ہیں۔ ان دنوں رشین پارلیمنٹ کے صدر بورس یلسن (Boris Yelstin) تھے۔ وہ ایک ٹینک پر کھڑے ہوجاتے ہیں اور جلوس کی قیادت کرتے ہیں۔ ان کی کوششوں سے بغاوت تین دنوں میں ناکام ہوجاتی ہے اور گورباچوف واپس ماسکو چلے جاتے ہیں۔ 21/اگست 1991ء کو باغی ہار مان لیتے ہیں اور انھیں گرفتار کرلیا جاتا ہے۔ حالات مکمل طور پر خراب ہوجاتے ہیں۔ کمیونسٹ پارٹی کا رُعب اور دبدبہ ملیامیٹ ہوجاتا ہے۔ رشین فیڈریشن ایک اتحاد کے بجائے ایک ملک کے طور پر اپنا وجود برقرار رکھنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔

سوویت یونین کے بعد روس کی سب سے بڑی ریاست یوکرین تھی۔ وہ یکم/دسمبر 1991ء کو اپنی آزادی کا اعلان کردیتی ہے۔ اس اعلان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سوویت یونین ختم ہوگیا ہے۔ 8/دسمبر 1991ء کو یلسن یوکرین اور بیلاروس کے ساتھ مل کر ایک معاہدے پر دستخط کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ایک نیا معاہدہ وجود میں آتا ہے، جسے سی آئی ایس کا نام دیا جاتا ہے۔ یعنی ''آزاد ریاستوں کی دولتِ مشترکہ'' (Commonwealth of Independent States)۔ اگلے ہفتے میں اس یونین میں آٹھ مزید ریاستیں شامل ہوجاتی ہیں، جو دفاع اور معیشت میں مل کر کام کرنے کا عہد کرتی ہیں۔ گورباچوف 25/دسمبر 1991ء کو کرسمس کے دن پارٹی قیادت سے علاحدہ ہوجاتے ہیں۔ ساتھ ہی سوویت یونین کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔

سوویت یونین کی تحلیل انسانی تاریخ کا ایک عظیم ترین المیہ کہلاتا ہے۔ کارل مارکس نے کہا تھا کہ ''انسانی سماج ارتقا کے تحت آگے بڑھتا ہے۔ ارتقا ایک مسلسل عمل ہے۔ اس کی کوئی شکل حتمی اور آخری نہیں ہوتی''۔ اِرتقا کے عمل کو مہمیز کرنے میں قدرت کے کرشمے مرکزی کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ کرشمے سائنس اور ٹیکنالوجی کی شکل میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ یہ ایجادات شروع میں تو مخصوص کاروباری حلقوں میں جدّت لانے کا ذریعہ بنتی ہیں، لیکن ان کے ساتھ ہی ایجادات سے جڑے دیگر شعبے متحرک ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔ انسانی زندگی میں مختلف قسم کی سہولتیں پیدا ہونے سے یہ عمل تیز ہوجاتا ہے، لیکن سارا سماج ان تبدیلیوں سے مکمل طور پر مستفید نہیں ہوتا۔ کچھ شعبے محروم رہ جاتے ہیں۔ ریاست جو سارے عمل کی نگران اور ذمہ دار ہوتی ہے، جو شعبے ترقیات سے محروم رہیں، ان کا بروقت تدارک کرکے محرومیوں کی تلافی کرتی ہے۔ ایسا معاشرہ مضبوط اور مستحکم ہونے سے ارتقائی عمل کا حصہ بنا رہتا ہے۔

سوویت یونین جس نظریے پر وجود میں آیا تھا، اس نے انسانی معاشرے کے فروغ کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دی تھیں۔ اپنے سماج سے جڑی ریاستوں کے جملہ مسائل بھی حل کیے تھے۔ اس کا نظریہ پس ماندہ اور غریب ملکوں کے وسائل لوٹنا نہیں، بلکہ انھیں تعاون اور تحفظ فراہم کرنا تھا، جب کہ اس کے مقابل سرمایہ دارانہ سماج کا مقصد دنیا کے وسائل کو لوٹنا ہی نہیں، بلکہ ان کے سماجی ڈھانچوں کو تباہ برباد بھی کرنا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام مقابل قوتوں سے لڑتا تھا تو اپنے وسائل کے بجائے دنیا کے دیگر ملکوں کو اس آگ میں جھونکتا تھا۔ اس نے اپنے خطے میں آج تک ایک بھی لڑائی نہیں لڑی، البتہ اس کی جنگ اپنے ملک کے ایسے سربراہان کے خلاف رہی ہے، جو معاشرے میں سماجی مساوات کو فروغ دینا چاہتے تھے۔ انھیں حرفِ غلط کی طرح راستے سے ہٹا دیا گیا۔ اس نے تمام تر جنگیں یا تو ایشیا میں لڑیں اور یا پھر یورپ کو اس کی جولان گاہ بنایا۔

استعمار کے نزدیک معاہدات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ وہ محض دفع الوقتی ہوتے ہیں۔ میخائیل گورباچوف نے عالمی طاقتوں کے ساتھ جو معاہدۂ امن کیا تھا، استعمار نے اسے محض وقتی اور عارضی نوعیت کی ایک بیٹھک سے زیادہ کوئی اہمیت نہ دی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ روس اس وقت کمزور ہے۔ وہ اپنے اتحادیوں کی حفاظت تو درکنار، آئندہ وہ خود اپنے ملک کے دفاع کی اہلیت بھی کھو بیٹھا ہے۔ لہٰذا اس پہلو کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس نے اگلے چند سالوں میں سوویت یونین کی طرف میلان رکھنے والے ملکوں کو چن چن کر تباہ و برباد کردیا۔ روس محض ایک تماشائی کی حیثیت سے سب کچھ دیکھتا رہا۔

اگلے پچیس برس روس اپنی کمزوریوں پر قابو پانے اور اِقدام کی اہلیت حاصل کرنے کے عمل میں مصروف ہوگیا۔ وہ امریکا کے خلاف جنگ کی تیاری بہت عرصہ پہلے شروع کرچکا تھا۔ اس کے تحقیقاتی اداروں نے 2007ء میں پہلی دفعہ ایس 200 میزائل فوج کے حوالے کیا تھا۔ روس نے جب اچھی طرح اس کا تجربہ کرلیا تو پھر شام کے محاذ پر 2015ء میں اس کا جدید ورژن ایس 300 متعارف کروایا۔ امریکا شام کے دہانے بحیرۂ روم میں اپنے جنگی بیڑے کے ذریعے شام پر حملہ آور ہونے کی سرتوڑ کوشش و ہمت کرتا رہا۔ ایک ماہ کے طویل دورانیے میں ذلت آمیز شکست کے بعد ناکام و نامراد واپس لوٹا تو پھر عالمی سیاست کا رُخ بدلنا شروع ہوگیا۔

یوکرین کی جنگ امریکا اور روس کی جنگ ہے۔ روس کے مقابلے میں یوکرین کوئی بڑی طاقت نہیں تھی۔ روس اس پر بڑی آسانی سے قبضہ کرسکتا تھا، لیکن استعماری طاقتوں نے بعد میں گوریلا وار شروع کرنی تھی، جیسا کہ افریقا کے بعض ممالک میں اور مشرقِ وسطیٰ میں عراق، لیبیا اور شام کے محاذوں پر اس کا مشاہدہ اور تجربہ کیا جاچکا تھا۔ روس کبھی بھی اپنے دشمن کو کمزور نہیں سمجھتا۔ وہ اس کی ممکنہ طاقت کا جائزہ لینے کے بعد ہی اقدام کرتا ہے۔ امریکا نے اپنی جس ٹیم کو قربانی کے بکرے کے طور پر میدان میں اُتارا تھا، روس نے اس کی تمام تر کمزوریوں یعنی خامیوں اور طاقت یعنی خوبیوں کو اچھی طرح بھانپ لیا تھا۔

جاری ہے

خطبات و بیانات

رپورٹ: سیّد نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

انسان دوستی پر مبنی سچے نظام کی ضرورت واہمیت

13 رمئی 2022ء کو حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور میں خطبہ جمعۃ المبارک ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا:

''معزز دوستو! کتابِ مقدس قرآن حکیم جامع ترین کتاب ہے۔ یہ انسانی زندگی کے جملہ پہلوؤں میں انسانیت کی رہنمائی کرتی ہے۔ زندگی کا کوئی ایسا شعبہ باقی نہیں بچا کہ جس کے حوالے سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس مقدس کتاب میں کوئی واضح اور دوٹوک حکم نہ بیان کیا گیا ہو۔ ہر اہم معاملے کے بنیادی اَساسی اُمور متعین اور واضح کردیے گئے ہیں۔ انسانی معاشرہ اجتماعی تقاضوں کے تحت آگے بڑھتا ہے اور اجتماع تبھی ترقی کرتا ہے، جب وہ ہموار طریقے سے مسلسل ارتقا پذیر ہو۔ اس کی قومی شناخت، اس کا اجتماعی نظام، انسان دوستی کی اساس پر آگے بڑھے۔ بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب انسانیت کے لیے ایک واضح ترقی کا راستہ متعین ہوجائے۔ انسانیت اپنے اصل تقاضوں کے مطابق آگے بڑھے۔

دینِ اسلام کی تعلیمات میں اس حقیقت کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ انسان دوستی کے سچے نظام — جسے ''دِیْنُ الْحَقّ'' سے تعبیر کیا گیا ہے — کو دنیا میں اُن تمام نظام ہائے حیات اور ادیانِ باطلہ پر غالب ہونا ہے، جو انسانیت کے لیے منفی سوچ رکھتے ہیں اور منفی کردار ادا کرتے ہیں۔ انسانی معاشروں میں فتنہ پردازی کرتے ہیں۔ معاشروں کے لیے نقصان کا باعث بنتے ہیں۔ سیاسی زوال اور معاشی فساد کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ایسے فاسد نظام ہائے حیات کو توڑنا اور اس کے مقابلے میں بین الاقوامی سطح پر انسانیت دوست نظام قائم کرنا ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ''لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ'' کے تقاضے کے تحت دنیا میں مبعوث کیے گئے ہیں۔ آپؐ نے دینِ حق کو ادیانِ باطلہ پر غالب کرنا ہے۔

اسی ضمن میں انسانیت کو قومی اور بین الاقوامی انتداب اور ظلم واستحصال سے نجات دلانے کے لیے آپؐ نے جو جدوجہد اور کوشش کی، وہ یہ کہ سب سے پہلے حجازی کی وہ ظالمانہ حکومت آپؐ نے ختم کی، جو ابوجہل کی قیادت میں جہالت اور انسانیت دشمنی کا کردار ادا کر رہی تھی۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر مکہ کی ظالمانہ طاقت صلح پر مجبور ہوگئی اور آپؐ کی سیاسی طاقت اور حکومتی قوت کو تسلیم کرلیا گیا۔ اللہ پاک نے اسے ''فتحِ مُبین'' سے تعبیر کیا ہے۔

صلح حدیبیہ سے فارغ ہوتے ہی آپ ﷺ نے یہودیوں کا وہ گروہ جو خیبر میں مکہ والوں سے مل کر سازشیں اور فتنہ پردازی پیدا کر رہا تھا، اس کی سرکوبی کی اور خیبر فتح کیا۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ خیبر کی فتح کے ساتھ ہی گویا کہ نبی اکرمؐ ایک بادشاہ اور حکمران کے طور پر سامنے آئے اور آپؐ کی یہ سیاسی حیثیت اور حکومتی قوت پورے ''جزیرۃ العرب'' میں تسلیم کرلی گئی''۔

قومی اور اجتماعی نظام میں منافقین کے کردار کی خرابی

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''غزوۂ خیبر سے واپسی پر آپ ﷺ نے دنیا کی دو بڑی طاقتوں قیصر و کسریٰ کے نام خطوط لکھے۔ ان کے خلاف عملی اقدامات کے لیے جنگی اُمور طے کیے، سیاسی معاملات کو واضح کیا اور اسی تناظر میں غزوۂ تبوک کے لیے آپؐ نے تیاری کی۔ اس طرح غلبہ دین کے سلسلے میں بین الاقوامی انقلاب کا پہلا قدم غزوۂ تبوک ہے۔

سورت البرأت کا وہ حصہ جس کا تعلق غزوۂ تبوک سے ہے، اس میں وہ اصولِ کلیہ بیان کردیے گئے، جو قومی اور بین الاقوامی سیاست کے اُمور کی انجام دہی سے متعلق ہیں۔ ایسے مرحلے پر کسی بھی ریاست اور قوم میں ایسے افراد اور گروہ وجود میں آجاتے ہیں، جو اُس ریاست کے قومی تقاضوں کی خلاف ورزی کریں، انھیں دین کی اصطلاح میں ''منافق'' کہا جاتا ہے۔ یہ منافقین کا گروہ اپنی ریاست کے مفادات سے غداری کرنے والا، اپنے قومی اُمور سے بغاوت کرنے والا، قومی اُمور کو بین الاقوامی مداخلت کی بنیاد پر وجود میں لانے والا گروہ ہوتا ہے۔ نفق: سوراخ اور سرنگ کو کہتے ہیں۔ منافق: سوراخ کرنے والے کو کہتے ہیں۔ کسی کشتی میں سوراخ ہوجائے تو کشتی میں پانی بھرنا شروع ہوجاتا ہے۔ منافق دراصل وہ فرد اور وہ جماعت ہے، جو قوموں کے اجتماعی اُمور میں سوراخ کرتا ہے، اور بسا اوقات وہ سوراخ ایسا خفیہ ہوتا ہے، جس کا پتہ بعد میں چلتا ہے کہ وہ اس پوری اجتماعیت کی کشتی کو ڈبونے کے لیے کافی ہوتا ہے۔

اس لیے قرآن حکیم نے کافروں سے زیادہ منافقوں کے منافقانہ رویوں کو زیر بحث لاکر ان کی شناعت اور خرابی بیان کی ہے۔ اللہ پاک نے کہا ہے کہ ''یہ منافق بہ ظاہر اللہ اور اُس کے رسول کو دھوکا دیتے ہیں، حالاں کہ یہ خود اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہوتے ہیں''۔ (سورت البقرہ) جو لوگ مسلمان ہوگئے، ایمان لے آئے، وہ جماعت کا حصہ ہیں، اب اُن کی ذمہ داری ہے کہ اُس جماعت کے ڈسپلن کو قبول کریں، جماعت کے طے کیے ہوئے فیصلوں اور اُمور کی پابندی کریں اور اُس کے لیے اپنی تمام عقلی اور عملی قوتوں کو بروئے کار لائیں۔ یہ ایک ایسا بنیادی اَساسی اُصول ہے جو دنیا کی ہر قوم، ہر مذہب، ہر اجتماع میں عقلی طور پر بھی تسلیم شدہ ہے۔ جب کہ منافقین ایسا نہیں کرتے۔

دشمن کے بارے میں تو بالکل واضح ہے کہ وہ دشمن ہے۔ اس سے دشمنی کا تعلق ہے، لیکن ایک فرد، ایک جماعت، زبان سے دعویٰ کرے کہ وہ ایمان والی جماعت کا حصہ ہے، اور پھر اُن اُمور کو جو جماعت نے طے کیے ہیں، اُس کی خلاف ورزی کرے، اُس میں سوراخ کرے تو اس سے بڑھ کر خرابی اَور کیا ہوسکتی ہے؟ اللہ پاک نے منافقین کے حوالے سے بہت واضح ہدایات دیتے ہوئے، اُن کے رویوں کو تحلیل وتجزیہ کرتے ہوئے واضح کردیا کہ خطرناک دشمن منافق ہوتا ہے۔ وہ فاسق فاجر اور مفسد ہوتا ہے کہ جو بہ ظاہر ایمان کا لبادہ اوڑھ کر ذاتی، گروہی مفادات اور اپنی سرمایہ پرستی کی بنیاد پر اپنے نسلی تفوق کو برقرار رکھنے کے لیے پوری اجتماعیت کے لیے نقصان کا باعث بنتا ہے''۔

پاکستان میں منافقت کی فتنہ پروری کی خوف ناک تاریخ

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

’’اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں ارشاد فرمایا: ’’لَقَدِ ابۡتَغَوُا الۡفِتۡنَةَ مِنۡ قَبۡلُ وَقَلَّبُوۡا لَكَ الۡاُمُوۡرَ‘‘ (9- التوبہ: 48) (وہ (منافقین) تلاش کرتے رہے ہیں بگاڑ کی پہلے سے اور اُلٹتے رہے ہیں تیرے کام)۔ یہ اور اس سے پہلے و بعد منافقین کے رویوں سے متعلق تمام آیات غزوۂ تبوک کے موقع پر نازل ہوئیں، جنھوں نے کسی قوم کے سیاسی اُمور اور اُس قوم میں فتنہ پرور لوگوں کے رویوں کا عکس کھینچ کر قیامت تک کے تمام ادوار میں قوموں کے حالات کے بارے میں طے شدہ اُصول اور ضابطے بتلا دیے۔ آپ اس کا تجربہ کرلو۔ خاص طور پر اگر ان آیات کی روشنی میں ہم پچھلی تین سو سال کی برعظیم پاک و ہند کی تاریخ کو دیکھیں کہ اس قوم کے عدل و انصاف پر مبنی نظام اور اُمور کے خلاف اس خطے کے غداروں، منافقوں، فاسقوں اور فاجروں نے کیا کردار ادا کیا ہے۔

آپ دیکھیے کہ ہندوستان کی آزادی کی جنگ اختتام کو پہنچ رہی ہے۔ ہندوستان آزاد ہوا چاہتا ہے۔ پوری کی پوری قوم اجتماعی طاقت کے ساتھ آزاد ہونا چاہتی ہے اور متحدہ طاقت اور قوت سے دنیا کی سپر پاور بننے کے قریب ہے۔ عین اُس وقت فتنہ پرور، اِسلام کا لیبل لے کر میدان میں آجاتے ہیں۔ کیا یہ ’’قَلَّبُوۡا لَكَ الۡاُمُوۡرَ‘‘ (اُمور کا تبدیل کردینا) نہیں ہے؟ اُمور کی تبدیلی اور فتنے پیدا کرنا جس دور میں بھی ہو، وہ انھیں منافقین کا تسلسل ہے۔ آپ بتلائیں کہ پاکستان میں پچھلے پچھتر سال میں جمہوریت کے نام پر جمہوریت کی بحالی کی کتنی تحریکیں چلیں، لیکن ہر دفعہ جمہوریت کی ’’نیلم پری‘‘ آتی ہے اور ’’دیوِاستبداد‘‘ مزید پکا ہو جاتا ہے۔ چاہے وہ ایوب خان کے بعد جمہوریت کا ڈول ڈالا گیا ہو، الیکشن کرائے گئے ہوں، بھٹو صاحب کی حکومت بنی ہو، یا ضیاء الحق کے بعد یا مشرف کے بعد؟ جمہوریت کا خوب صورت ٹائٹل ہے۔ اسلام کا خوب صورت ٹائٹل ہر ڈکٹیٹر نے استعمال کیا۔ اسی کو فتنہ کہتے ہیں کہ ایسی کارہ گری دکھانا، ایسا انداز اور اُسلوب اختیار کرنا کہ ظاہری طور پر لوگ اُس کے بھرّے میں آئیں اور اُس کے پیچھے چلیں۔ قانون، آئین، اور ضابطوں میں ایسا جھول رکھنا کہ اُس کے دونوں مطلب لیے جاسکیں۔ یہ فتنہ ہے۔

آج پچھتر سال ہوگئے، حقیقی اسلام تو غائب ہے اور پچھتر سال بعد عدالت کو پتہ چلا ہے کہ قرآن میں ہر قسم کا سود حرام ہے۔ قرآن نے تو چودہ سو سال پہلے بات کہی تھی۔ ان کو سارے عدالتی پراسیس کے بعد پتہ چلا ہے کہ سود حرام ہوتا ہے۔ عجیب تماشا ہے۔ اور پھر پچھتر سال کی پوری تاریخ دیکھو۔ جب بھی آزادی اور حریت کی اَساس پر عوام میں تحریکات برپا ہوئیں، مزدوروں، کسانوں اور قومی اجتماعیت کے لیے، کوئی اتفاق سے جماعت، لیڈر یا کوئی رہنما آ بھی جاتا ہے اور وہ قومی اُمور پر عالمی سامراجی طاغوتی قوتوں کے احکامات نہیں مانتا تو گولی کا نشانہ بنتا ہے، یا پھانسی ہوتی ہے، یا اُس کی سیاسی طاقت کو بڑے خوش نما عنوان کے ساتھ ناکام بنا دیا جاتا ہے‘‘۔

موجودہ حالات میں قرآن حکیم سے رہنمائی لینے کی ضرورت

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

’’آج کل ہوتا یہ ہے کہ منافقین سے متعلق سورت التوبہ کی یہ آیات پڑھیں گے، وہاں ان آیات کے شانِ نزول میں اُس دور کے افراد یا جماعتیں آرہی ہیں، اُن کے اوپر رِفٹ کریں گے اور گزر جائیں گے، جب کہ اُن آیات کا اپنی سوسائٹی پر اطلاق نہیں کریں گے۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، سیّد احمد شہیدؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ، امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور ان جیسے حریت پسند علما اور اُن کی جماعت کا یہ کردار ہے کہ انھوں نے جیتے جاگتے قرآن کا اپنی سوسائٹی کے اُمور پر اطلاق کیا۔ فَاعۡتَبِرُوۡا يٰۤاُولِى الۡاَبۡصَارِ (59- الحشر: 2) او صاحبِ بصیرت لوگو! ان واقعات کے تناظر میں عبرت حاصل کرو۔ اگر قومِ عاد و ثمود اور اسی طرح قومِ جالوت اور اس کے بعد عذاب بھگتنے والے یہودیوں کے واقعات قرآن نے مکے اور مدینے کے کافروں اور منافقوں کی عبرت کے لیے بیان کر کے کہا: فَاعۡتَبِرُوۡا يٰۤاُولِى الۡاَبۡصَارِ۔ تو رسول اللہ ﷺ کے واقعات آج ہمارے لیے کیوں نہیں ہیں یا اولی الابصار؟ ہماری آنکھیں کھولنے والے کیوں نہیں ہیں؟ آج کے حالات میں اُن کا اطلاق کیوں نہیں ہوسکتا؟ آج ہمارے گرد و پیش جو منافقین، فتنہ پرور اور ذاتی، گروہی، طبقاتی اور عالمی مفادات کے لیے قومی اُمور کو تبدیل کرنے والے ہیں، اُن پر اس کا اطلاق کیوں نہیں ہوسکتا؟ یہاں زبانیں کیوں گنگ ہیں؟ یہاں واضح راستہ کیوں نہیں بتلایا جاتا؟ عوام کے سامنے اُس کی وضاحت کیوں نہیں کی جاتی؟ قرآن حکیم نے تو چودہ سو سال پہلے یہ آئینہ دکھا دیا تھا۔

قرآن کی تعلیمات کے تناظر میں اپنا جائزہ خود لے لو۔ یہی تو عبرت ہے، یہی تو بصیرت ہے، یہی تو شعور ہے۔ اب بصیرت افروز قرآنی احکامات کو نظرانداز کرنا اور بصیرت فروشوں کے پیچھے چلنا، عقل دشمنوں کے پیچھے چلنا، شعور مارنے والے لیڈروں اور رہنماؤں کے پیچھے چلنا، فتنہ پروروں کا آلہ کار رہنا ہمارا رویہ بن چکا ہے۔ یاد رکھیے! جب تک قوم اس طرح کے فتنہ پروروں کو سمجھ کر اُن سے برأت کا اعلان نہیں کرتی، اُس وقت تک اُس کی آزادی اور حریت ’ایک دیوانے کا خواب‘ ہے۔

آپ کبھی کہتے ہیں کہ یہاں امریکا کی طرح کا نظام بنائیں گے، کبھی کہتے ہیں برطانیہ کا نظام بنائیں گے، کبھی کہتے ہیں چین کا بنائیں گے، روس کا نظام بنائیں گے، آپ کو یہ ’نظام‘ نظر آتے ہیں؟ کیا اسلام کی بنیاد پر یہاں نظام قائم نہیں ہوسکتا ہے؟ یہ تو کسی نئے بھرّے کی طرف بلانے کا عمل ہے۔ جدید سرمایہ داری کی طرف رُخ کرنے کا نیا انداز اور اُسلوب ہے، جس میں کروڑوں اربوں روپے خرچ کیے جارہے ہیں۔ اس تحریک کی بنیاد کیا ہے؟ سوچ کیا ہے؟ نظریہ کیا ہے؟ جب تک قرآنی تعلیمات کے مطابق نظریہ نہیں ہوتا، شعور نہیں ہوتا، تنظیم نہیں ہوتی، اجتماعی طاقت اور اجتماعی اُمور طے نہیں کیے جاتے، اس وقت تک کوئی نتیجہ پیدا نہیں ہوسکتا‘‘۔

عظمت کے مینار

وسیم اعجاز، جکارتہ (انڈونیشیا)

مولانا سیّد کفایت علی کافی مرادآبادی شہیدؒ

ایسٹ انڈیا کمپنی کے استبداد کے خلاف 1857ء کی ہندوستان گیر تحریکِ آزادی میں ایک اُور نمایاں نام مولانا سیّد کفایت علی کافی مرادآبادی شہیدؒ کا ہے۔ ان کا آبائی تعلق ''نگینہ''، ضلع بجنور سے تھا۔ ان کے والد کا نام سیّد رحم علی تھا۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مزید تعلیم کی غرض سے مولاناؒ بریلی اور بدایوں تشریف لے گئے۔ دستِ قدرت نے یاوری کی اور آپؒ حضرت الامام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے نام ور شاگرد حضرت شاہ ابوسعید مجددیؒ کی خدمت میں پہنچے اور ان کے حلقۂ درس و حلقۂ اِرادت میں شامل ہوگئے۔ حدیث کی تعلیم بھی وہیں سے حاصل کی تھی۔

یہ وہ دور تھا، جب ایسٹ انڈیا کمپنی کا استبداد اپنے عروج پر تھا۔ خاص و عام میں بہت زیادہ بے چینی پائی جاتی تھی۔ ان حالات کا اثر ممدوح پر بھی اسی طرح ظاہر ہوا، جس طرح اس دور میں دیگر حریت پسندوں میں ہمیں نظر آتا ہے۔ انگریزوں کے اس ظلم کے خلاف لوگوں میں شعور بیدار کرنے کی غرض سے آپؒ نے جمعۃ المبارک کا دن مقرر کیا ہوا تھا۔ اس دن اہتمام کے ساتھ اپنے بیانات میں کمپنی کے خلاف لوگوں کو جدوجہد پر تحریک دلاتے تھے۔ آپؒ نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ بھی جاری فرمایا۔ اس فتوے کو جامع مسجد مرادآباد کے باہر آویزاں کیا گیا اور نقول دیگر علاقوں میں ارسال کروائی گئیں۔ بیانات کے ساتھ ساتھ آپؒ نے دیگر شہروں میں اَسفار بھی کیے اور خاص و عام کو اس جدوجہد میں شمولیت کی دعوت بھی دی۔

میرٹھ سے 12/ مئی 1857ء کو مرادآباد میں اطلاع ملی کہ انگریزوں کے خلاف جنگ کا آغاز ہو چکا ہے تو مرادآباد میں بھی جہاد کا اعلان کر دیا گیا۔ نوجوانوں پر مشتمل ایک ٹیم تیار کی گئی، جس کی سربراہی مولانا وہاج الدین مرادآبادیؒ، مولانا زین العابدینؒ اور مولانا کفایت علیؒ نے فرمائی۔ اُمور کو منظم انداز میں سرانجام دینے کے لیے ایک مشاورتی کونسل بنائی گئی، جس میں مذکورہ بالا سربراہان اور دیگر لوگ بھی شامل تھے۔ انگریز فوج جب مرادآباد پہنچی تو اس منظم جدوجہد کے آگے ان کی ایک نہ چل سکی اور منہ کی کھا کر واپس ہوگئے۔ 3/ جون 1857ء کے اس معرکے میں انگریزی فوج کا بہت نقصان ہوا۔ انگریز افسران نے نینی تال کی جانب بھاگ کر اپنی جان بچائی۔ انگریزوں کے مرادآباد خالی کرنے کے بعد نواب مجیدالدین نے شہر کی نظامت سنبھالی اور مولانا موصوفؒ کو ''صدرالشریعہ'' مقرر کیا گیا۔

مولانا موصوفؒ جہاد کی اس تحریک میں دیگر رہنماؤں کے ساتھ مستقل رابطے میں تھے۔ خاص طور پر مولانا سرفراز علیؒ اور جنرل بخت خاں کے ساتھ مشاورت میں رہتے تھے۔ ان حضرات کو مرادآباد میں ہونے والے واقعات کی مستقل رپورٹنگ کرتے رہے اور دیگر علاقوں کے بارے میں بھی آگاہی حاصل کرتے رہے۔ 14/ جون 1857ء کو جب جنرل بخت خاں دہلی کی جانب جاتے ہوئے مرادآباد پہنچے تو اہلِ مرادآباد بھی ان کی فوج میں شامل ہوئے۔ مولانا موصوفؒ نے بھی اس لشکر میں اُمور سرانجام دیے۔

اس جنگ آزادی کو غداروں نے بہت زیادہ نقصان پہنچایا، جس کی وجہ سے انگریزوں کو ایک بار پھر موقع مل گیا اور رام پور کے نوابوں کی مدد سے انگریز افسر جنرل مونس کی سربراہی میں 24/ اپریل 1858ء کو انگریز فوج ایک بار پھر مرادآباد پر قابض ہوگئی۔ شہر کے ناظم نواب مجیدالدین کو انتہائی بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔ انگریزوں کی جانب سے یہ اعلان کیا گیا کہ جو شخص بھی کسی حریت پسند کو گرفتار کروائے گا، اس کو جائیداد سے نوازا جائے گا۔ اس اعلان کے بعد ظلم وستم کی انتہا کر دی گئی۔ فخرالدین نامی ایک غدار نے مولانا سیّد کفایت علیؒ کی مخبری کر دی اور یوں 30/ اپریل 1858ء کو گرفتار ہوئے اور جیل میں ڈال دیے گئے۔ گرفتاری کے بعد آپؒ پر بہت زیادہ تشدد کیا گیا۔ آپؒ کے جسم پر تیز جلتی ہوئی استری پھیری گئی اور زخموں پر نمک چھڑکا گیا۔ جیل میں قید کے دوران ایک انگریز افسر سیّد کفایت علی کافیؒ کے پاس آیا اور بولا: ''آپ اب بوڑھے ہوگئے ہو۔ آپ کا بڑھاپا دیکھ کر میں آپ پر ترس کھانے کو تیار ہوں۔ موت سے بچنا چاہتے ہو تو اپنا جہاد کا فتویٰ واپس لے لو۔ آپ کو رہا کر دیا جائے گا''۔ مولانا موصوفؒ نے حقارت سے انگریز کی طرف دیکھا اور پھر فرمایا: ''میں اپنے لہو سے تمھاری تباہی کی تحریر لکھ چکا ہوں۔ اب برصغیر میں ایک آگ سلگ چکی ہے، جو تمھارے محلوں کو جلا کر رکھ دے گی''۔ یہ وہ دور تھا جب کسی قیدی کو وکیل کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ اس طرح کے مقدمات کا فیصلہ جلد ہی کر دیا جاتا اور وہ فیصلہ پھانسی کی سزا کا ہوتا تھا۔ ۲۲/ رمضان المبارک ۱۲۷۴ھ / 6/ مئی 1858ء کو مرادآباد جیل کے سامنے انھیں پھانسی دے کر ان کی عظیم جدوجہد کو امر کر دیا گیا۔ جس جگہ پھانسی کی سزا دی گئی تھی، اسی جگہ تدفین ہوئی، لیکن کسی کو اس مرقد کا پتہ نہیں تھا۔ تدفین کے 35 سال بعد جب اس جگہ سے سڑک بنانے کا کام ہو رہا تھا تو قبر نمایاں ہوگئی۔ مولاناؒ کا جسم اطہر اسی طرح سے باقی تھا۔ لوگوں نے چہرہ پہچان لیا تھا۔ قبر کے نشان کو باقی رکھا گیا اور سڑک کا رُخ موڑ دیا گیا۔

مولانا موصوفؒ کی تصانیف ان کے تبحرِ علمی کی غماز ہیں۔ ان تصانیف میں: ''بہارِ خُلد'' (امام ترمذیؒ کی ''شمائل ترمذی'' کا ترجمہ)، ''خیابانِ فردوس''، ''نسیم جنت''، ''مولد شریف بہاریہ مع حلیہ شریف''، ''داستانِ صادقاں''، ''مثنوی تجمّل دربارِ رحمت ﷺ''، ''قصۂ بست اصحابؓ'' اور ''دیوانِ کافی'' شامل ہیں۔

مولاناؒ شاعری میں امام بخش ناسخ کے شاگرد مہدی علی خاں ذکیؔ سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ کافیؔ تخلص تھا۔ نعت گوئی میں کمال حاصل تھا۔ مولاناؒ کے عشقِ رسول ﷺ کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب انھیں پھانسی گھاٹ کی طرف لے جایا جا رہا تھا، اس وقت بھی یہ نعتیہ کلام زبان سے جاری تھا ؎

کوئی گُل باقی رہے گا، نے چمن رہ جائے گا، پر رسول اللہ کا دینِ حسن رہ جائے گا

اللہ تعالیٰ ہمیں ان اکابرین کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

تاثرات

خانقاہِ رحیمیہ کو میں نے کیسا پایا!

تحریر: عامر شہزاد، چنیوٹ

خانقاہ کا لفظ آتے ہی جبہ، عمامہ اور تسبیح کا تصور ذہن میں گردش کرنے لگتا ہے اور ایک ایسا نظریۂ حیات سامنے ہوتا ہے، جو کہ فقط عبارت ہے ''عرفانِ خودی'' سے۔ صوفی بنیادی طور پر آرٹسٹ ہوتا ہے۔ خود کو عرفان میں ڈبونا اور ''صبغة اللّٰه'' (اللہ کے رنگ) میں کھو جانا ہی جن کے ہاں آرٹ کا سب سے بڑا مجسمہ ہے۔ لیکن میرے ساتھ یہ عجیب اتفاق تھا۔ کسی خانقاہ کا ایسا ہونا میرے تخیل کی بصیرت سے آگے کی چیز تھی۔ یہ انوکھی خانقاہ تھی، جہاں ذکر و فکر ہم آہنگ تھا۔ عشق اور عقل میں توازن، جذبات اور نظریات برابر کے پلڑے میں پڑے تھے۔ یہاں کے سالکین مجذوب نہیں، بلکہ مفکر تھے اور شیخ فقط صاحبِ حال ہی نہیں، بلکہ خود میں اِک جماعت تھے۔

نمازِ جمعہ کے بعد جب درسِ تفسیر دے رہے تھے تو فنِ بیان کے جو موتی پروئے جا رہے تھے، اور کلام اللہ کے جو اَسرار منکشف کیے جا رہے تھے اور پھر جس طرح اسے عصرِ حاضر سے ہم آہنگ کیا گیا، واقعی میں وہ اِک مجدِّد، نابغۃُ العصر ہی کر سکتا ہے۔ لیکن ان کے ہاں تجدُّد سے زیادہ روایت سے منسلک رہنے کا جذبہ تھا۔ لیکن وہ روایت کو تجدُّد کے اس رنگ میں پیش کر رہے تھے گویا کہ روایت اور جِدّت کا سنگم تھا۔ ''سورت العادیات'' کی تفسیر کو جس مجاہدانہ رُعب کے ساتھ شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری نے بیان کیا، جہاں سورۂ مقدسہ خود میدانِ جنگ کی منظر کشی کمالِ بلاغت اور پُر رعب انداز میں کرتی ہے، وہاں صاحبِ بیان بھی پوری طرح اس سے ہم آہنگ تھے۔ جہاد جس طرح جذباتی رگوں کو چھیڑتا ہے، مفتی عبدالخالق صاحب بعینہٖ اسی طرح درد کا مداوا کر رہے تھے۔

یہ حضرت کا پہلا باقاعدہ لیکچر تھا، جو میری سماعت پر دستک دے رہا تھا۔ ان سے متعلق میرے گوشۂ فکر میں جگہ اِک انقلابی مفکر کی سی بن رہی تھی، لیکن میرے ساتھ حادثہ تب ہوا جب وہی حضرت انھیں مفکرین کی اسی جماعت کو جن کے جذبات کو نغمۂ جہاد سے گرما رہے تھے، بعد از نمازِ عصر حلقہ بگوش کر کے ذکر اللہ میں مشغول کیے ہوئے تھے۔ بارِ اِلٰہا! یہ کیسی جماعت ہے! غزوات کا وہ منظر نامہ جو تحتِ شعور میں مقید تھا، بالکل میری دانش میں محوِ طواف ہوا۔ یوں جیسے بدر کے غازی' فتح کا سہرا باندھے' اللہ کے راضی نامے کا پروانہ ہاتھ میں پکڑے' صُفّہ کے چبوترے پر براجمان ہو گئے ہوں۔

افطار کے بعد عشائیہ اور نمازِ تراویح کے بعد مسجد سے نکلتے ہی میری نظر سامنے کے اِک ہال میں پڑی، جہاں حضرت عبدالخالق آزاد رائے پوری مسند پر براجمان تھے اور اہلِ خرد کا وہی حلقہ حضرت سے محوِ کلام تھا۔ موقع ہاتھ سے نہ جانے دینے کے اُصول پر عمل کرتے ہوئے میں بھی قریب جا کھسکا۔ کاندھوں کو پھلانگتا ہوا حضرت کے قریب جا پہنچا۔ یوں جمی محفل میں کاندھے پھلانگنا' آدابِ محفل کے خلاف ہے، لیکن مجھ پر حضرت کو قریب سے دیکھنے کا اشتیاق غالب تھا۔ یہاں جناب کا اِک نیا رنگ تھا، جو زائرین کو محظوظ کر رہا تھا۔ دو قومی نظریہ اور پاکستانی سیاست زیرِ بحث تھی۔ وہ عصر سے پہلے کا مفسر اور مجاہد و مفکر اور عصر کے بعد کا صوفی یہاں ماہرِ سیاست اور ماہرِ علومِ تاریخیہ محسوس ہو رہا تھا۔ دو قومی نظریے کی حقیقت، وجودِ پاکستان کا پسِ منظر اور پاکستانی سیاست دان زیرِ بحث تھے۔ میں یہ بات بلا مبالغہ لکھ رہا ہوں۔ یوں اِک اِک سال اور ایک ایک شخصیت اس طرح ازبر تھی کہ جیسے ان کا موضوعِ حیات ہی تاریخ رہا ہو۔ اور ایسے حتمیّت سے بیان کر رہے تھے کہ جیسے شنید نہیں' بلکہ عینی شاہد ہوں۔

مکتبِ فراہی سے وابستگی کے سبب مجھے ادارہ رحیمیہ کے تصورِ دین سے بنیادی اختلاف ہے، لیکن جس نظامِ مملکت کا میں متقاضی ہوں، اس کے مطابق تو نہیں، لیکن اس کے قریب قریب ہی نظام کا داعی رحیمیہ تھا۔ رحیمیہ کو میں نے کیسا پایا اور کیا کچھ سیکھنے کو ملا؟ اس کے لیے باقاعدہ نشست درکار ہے، لیکن یہاں اتنا کہوں گا کہ وہاں میرے خاموش سوالوں کا جواب تھا۔ ایسے تصوارت کے لیے جلا تھی، جن کو میں کبھی الفاظ کا پیراہن نہ پہنا سکا تھا۔

حضرت ابوالحسن علی الندویؒ میرے پہلے فکری مسیحا ہیں۔ حضرتؒ کی ''تاریخِ دعوت و عزیمت'' میرے لیے وہ پہلی کتاب ہے، جو میری فکری بلوغت کی راہ پہ گامزن ہونے کی پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ حضرت علی میاںؒ نے اِک پوری جلد امام شاہ ولی اللہ (دہلویؒ) کے نام کی ہے۔ ولی اللّٰہی فکر، فلسفہ، سیاست اور فکری اِرتقا و پسِ منظر کو بہت ہی وضاحت کے ساتھ زیرِ بحث لائے ہیں۔ جس سے امام ولی اللہ دہلویؒ کی شخصیت مکمل تعارف میں آتی ہے، لیکن دِقتِ نظری کے سبب میرا خیال یہی تھا کہ وہ تخلیقی فکر شاید کتابوں میں مقید ہو کر رہ گئی ہو، لیکن ادارہ رحیمیہ میں محسوس ہوا کہ فکر کبھی مرتی نہیں ہے۔ بابا یحییٰ کے وہ لافانی جملے یاد آ گئے کہ ''قلم نہیں مرتا''۔ یہ بات مجھ پہ مترشح ہو رہی تھی کہ قلم فقط اپنی ہی نہیں' قلم کار کی بقا کا بھی ضامن ہوتا ہے۔

دنیا اِنفرادی مفاد، غرض و حاجات میں ڈوبی پڑی ہے، لیکن رحیمیہ میں جا کر اجتماعی سوچ اور اپنے مفاد سے بڑھ کر معاشرتی، قومی مفاد کی ترجیح واضح ہوئی۔ رائج سسٹم جو میری بیزاری کا سبب تھا، رحیمیہ میں رہ کر سسٹم دشمنی کا وہ زخم ناسور بن گیا اور جذبات بے قابو ہونے لگے، لیکن ادارہ رحیمیہ کا خامشی اور سکون سے چلتا کارواں اس بات کا مظہر تھا کہ انقلاب جذبات، ہنگاموں، شورشرابوں اور ہجوموں سے نہیں آتے، بلکہ صدیوں کی خاموش محنت درکار ہوتی ہے۔ اور جو سب سے بڑی بات، وہ یہ کہ رحیمیہ میں جا کر مجھ پر ہجوم اور جماعت کا عظیم فرق منکشف ہوا۔

خیر ---------- رحیمیہ کی تدریسی مجالس، فکری حلقے اور لذیذ کھانے ہمیشہ یاد رہیں گے۔

Monthly **RAHIMIA** Lahore CPL No. 59

بقیہ پاکستان میں امریکی مداخلت؛ تاریخی تسلسل پر ایک نظر

کارگل جنگ کے موقع پر نواز شریف امریکا جا کر وائٹ ہاؤس میں بیٹھ کر امریکی منصوبوں کے زیرِ نگرانی معاہدوں پر دستخط کر کے آئے۔ پاکستان کے آزاد قبائلی علاقوں میں سی آئی اے کی جنگی سرگرمیوں نے پاکستان کے امن کو تہہ و بالا کیے رکھا۔ پھر پاکستانی صدر پرویز مشرف کو امریکی وزیر خارجہ کولن پاؤل کی پاکستان کو پتھر کے دور میں پہچانے کی دھمکی ابھی ماضی قریب کی تاریخ کا حصہ ہے۔

یہ بات تاریخی حقائق سے ثابت شدہ ہے کہ ماضی میں یہ مداخلت ہوتی رہی اور کروائی بھی جاتی رہی ہے۔ ہر دور میں پاکستان کے ریاستی اداروں اور ہر شعبۂ زندگی میں امریکا کے مخبر اور کارندے موجود رہے ہیں۔ آج بھی ہمارے ریاستی اور غیر ریاستی اداروں میں امریکیوں کا بہت اثر و رسوخ ہے۔ پاکستان میں تمام ''رجیم چینج'' آپریشنز، خواہ وہ سول حکومتیں ہوں یا مارشل لاء، اس میں امریکا ملوث رہا ہے۔

ہمارے ہاں کی سیاسی پارٹیوں کی قیادت اپنے ہی ملک میں اقتدار حاصل کرنے کے لیے امریکی خوشنودی کو ضروری سمجھتی رہی ہیں۔ بہت سے لیڈر امریکا جا جا کر اپنی وفاداریاں پیش کر کے اقتدار کا چانس حاصل کرنے کی پوری کوشش کرتے رہے ہیں۔

ظاہر ہے پاکستان میں امریکا جس جماعت کو اقتدار کے بالا خانے تک پہنچنے کے لیے سیڑھی فراہم کرتا ہے، اس سے پیشگی اپنی کچھ شرائط بھی منواتا ہے۔ پارٹیاں بسا اوقات اپنے نظریات اور رُجحانات سے عدمِ مطابقت کے باوجود ان شرائط کو قبول بھی کرتی ہیں۔ جنرل حمید گل تو اپنے ایک انٹرویو میں یہ تک کہہ چکے ہیں کہ: ''پاکستان کا آرمی چیف امریکا کی مرضی کے خلاف نہیں چنا جا سکتا''۔

ایسے ہی جب پاکستان میں کسی بھی حکومت کے خلاف کوئی تحریک اپنا منہ سر بنانے لگتی ہے تو پہلے وہ اپنے آپ کو امریکی آئینے میں دیکھتی ہے۔ اپنی بین الاقوامی لابی میں اپنے پارٹنرز سے مشورہ کرتی ہے۔ وہ انھیں بتاتے ہیں کہ لوہا گرم ہے یا نہیں؟ چوٹ مارنے کے وقت کا انتخاب انھیں کے کہنے پر کیا جاتا ہے۔ جیسے حالیہ حکومتی تبدیلی کا واقعہ رونما ہوا۔ پارٹی وفاداری بدل کر ممبرانِ اسمبلی اسی وقت اپنی جماعت کے وجود سے گوشت کے لقمے نوچنے چڑھ دوڑتے ہیں، جب انھیں اشارہ مل جاتا ہے۔

لہٰذا حکومتی تبدیلیوں میں امریکی مداخلت کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ پاکستان کی ریاست اور سیاست دان اپنے قیام سے آج تک امریکا سے خطیر عطیات اور قرضہ جات وصول کرتے ہوئے بدلے میں اپنی تابع داری پیش کیے ہوئے ہیں۔

آج سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر امریکا اپنے سامراجی عزائم کے تحت ہماری خود مختاری کو پامال کرنے کا مجرم ٹھہرتا ہے تو وہیں ہماری سیاسی اور مذہبی قوتیں جو امریکا کے اشاروں پر اپنی تحریکوں کی نوک پلک سیدھی کر کے عوام کو دھوکا دیتی ہیں، وہ بھی اتنی ہی مجرم ہیں۔ **مدیر**

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال میں پیدائش سے ہی اپنے ماموں کی کفالت میں رہا ہوں۔ میرے حقیقی والد 2009ء میں فوت ہوئے اور اُن کے چھ ماہ بعد میری حقیقی والدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ ہم چار بھائی اور تین بہنیں ہیں۔ ہم 7 بھائی بہنوں میں سے ایک بہن کی شادی والد صاحب نے اپنی زندگی میں کر دی تھی۔ جب کہ بڑے بھائی نے اپنی اور ایک ہمشیرہ کی شادی ان کی وفات کے بعد مشترکہ کھاتے سے کی۔ اس حوالے سے درجِ ذیل سوالات ہیں کہ:

1۔ کیا باقی بہن بھائیوں کی شادیوں کے اخراجات بھی مشترکہ کھاتے سے ہوں گے یا نہیں؟

2۔ والد صاحب سے ترکہ میں ملنے والا مکان بڑے بھائی نے فروخت کر کے اس کی رقم مشترکہ کاروبار میں لگا دی۔ اس کے علاوہ دو کنال جگہ جو کہ گوجرانوالا میں کرائے پر دی گئی ہے، جس سے ماہانہ -/40,000 (چالیس ہزار) روپے کرایہ آ رہا ہے۔ کیا ان تمام میں میرا حصہ بنتا ہے؟

3۔ اس کے علاوہ بڑے بھائی کے بقول مشترکہ کاروبار میں کچھ نقصان ہوا اور کچھ قرضہ جات لینے پڑے۔ کیا ان نقصانات اور قرضہ جات میں میرے ذمے کوئی ادائیگی بنتی ہے؟ جب کہ میرے علاوہ باقی بہن بھائی' بڑے بھائی کے زیرِ کفالت ہیں۔

سائل: محمد طلحہ اختر ولد طارق محمود، گوجرانوالا

جواب سائل کا اپنے والد کی اولاد میں شامل ہونے کی وجہ سے کُل وراثت میں شریعت کا مقرر کردہ حصہ بنتا ہے:

1۔ باقی بہن بھائیوں کی شادیوں پر آنے والے اخراجات اگر تمام ورثا کی باہمی رضامندی سے ہوں تو تقسیمِ وراثت سے قبل بھی مشترکہ ترکہ سے ہو سکتے ہیں۔

2۔ بڑے بھائی پر لازم ہے کہ وہ سب بہن بھائیوں کے سامنے والد صاحب کی وفات کے بعد اُن کی مکمل جائیداد منقولہ و غیر منقولہ کا حساب کتاب پیش کرے۔ مشترکہ کاروبار اور مکان کی فروختگی (جو کہ تمام ورثا کی باہمی رضامندی سے ہونی چاہیے تھی) میں تمام ورثا حق دار ہیں۔

3۔ اگر واقعتاً والد صاحب کی وفات کے بعد مشترکہ کاروبار اور اس کے لیے قرضہ جات باہمی رضامندی سے لیے گئے ہوں، بشرطیکہ تمام ورثا بالغ ہوں تو ان قرضہ جات کی ادائیگی بھی سب پر لازم ہوگی۔ اور اس کاروبار کے منافع میں بھی سب ورثا برابر کے حق دار بنتے ہیں۔ ورنہ قرضہ جات بڑے بھائی کے ذمے ہیں۔ باقی بہن بھائیوں پر ان کی ادائیگی لازم نہیں ہے۔ البتہ والد کی جگہ کفیل ہونے کی وجہ سے ادائیگی قرضہ جات اور کاروبار سے حاصل ہونے والے منافع جات میں سب کی شرکت ہوگی۔

مدیرِ اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔